

نتائج پر قابو پانے کی خواہش بمقابلہ ردِ عمل کا اختیار

علی ایک محنتی انسان ہے؛ وہ پابندی سے نماز پڑھتا ہے، صدقہ و خیرات کرتا ہے اور روزے رکھتا ہے۔ اسے جاننے والا ہر شخص اسے ایک نیک اور مثالی مسلمان سمجھتا ہے۔ برسوں سے اس کی زندگی بڑے پرسکون انداز میں گزر رہی تھی۔

ایک دن علی کو اپنے کاروبار میں ایک بڑے نقصان کا سامنا کرنا پڑا۔ وہ فکر مند تو دکھائی دیا لیکن، جیسا کہ اس سے توقع تھی، وہ صابر رہا اور اس یقین پر قائم رہا کہ خدا ان مشکلات سے نکلنے میں اس کی مدد فرمائے گا۔ پھر اس کے خاندان کا ایک فرد بیمار ہو گیا۔ اب اس کی نمازیں طویل اور دعائیں پہلے سے زیادہ گریہ و زاری سے بھرپور ہو گئیں۔ اس کے باوجود، بظاہر کچھ بھی نہیں بدلا۔

آہستہ آہستہ پریشان کن خیالات اس کے ذہن میں گھر کرنے لگے: 'خدا میری کیوں نہیں سن رہا؟ اس نے کیوں منہ پھیر لیا ہے؟ میں نے ایسا کیا کیا ہے کہ اس کی عنایتیں بے نیازی میں بدل گئیں؟' اس کی اندرونی کشمکش شدت اختیار کر گئی اور اس کا دل شکووں سے بھر گیا۔

اپنے باطن میں علی کا یہ ماننا تھا کہ اس کی نمازیں، روزے اور صدقات اسے من چاہی مرادیں دلا دیں گے۔ اسے لگتا تھا کہ خدا کی بندگی کا صلہ اس دنیا میں ایک ہموار اور پریشانیوں سے پاک زندگی کی صورت میں ملنا چاہیے۔ جب ایسا نہیں ہوا، تو اس کا ایمان ڈگمگانے لگا۔

اصل امتحان

علی کی یہ جدوجہد کوئی انوکھی بات نہیں ہے۔ ہم میں سے بہت سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہماری عبادات ہمیں مخصوص دنیاوی نتائج کی ضمانت دیتی ہیں۔ لیکن قرآن ہمیں اس کے برعکس سکھاتا ہے: زندگی یہاں آسائشیں حاصل کرنے کا کوئی کاروباری سودا نہیں ہے؛ بلکہ یہ ہمارے ردِ عمل کا امتحان (Test of response) ہے۔ خدا نے ایک ایسا کنٹرول شدہ ماحول تخلیق کیا ہے جہاں نتائج اس کے اختیار میں ہیں، لیکن ہمارے جوابی عمل ہمارے اپنے اختیار میں ہیں۔

نتائج پر اختیار کا وہم

ہم میں سے اکثر اس دھوکے کا شکار ہو جاتے ہیں کہ ہم صرف اپنی محنت، منصوبہ بندی یا دعا کے ذریعے نتائج کو قابو میں کر سکتے ہیں۔ ہم سوچتے ہیں: 'اگر میں سب کچھ ٹھیک کروں گا، تو زندگی میری خواہشات کے مطابق چلے گی۔' جب حقیقت اس کے برعکس نکلتی ہے، تو نتیجہ مایوسی اور تلخی کی صورت میں سامنے آتا ہے۔

خدا نے ہمیں جو حقیقی نعمت عطا کی ہے وہ نتائج پر قابو پانا نہیں، بلکہ ردِ عمل کی صلاحیت ہے۔

• نتائج پر اختیار کا وہم اس وقت 'استحقاق کے احساس' (Entitlement) اور 'مایوسی' (Despair) دونوں کی طرف لے جا سکتا ہے جب نتائج ہماری توقعات کے مطابق نہ ہوں۔ جب ہم خود کو اس بات پر قائل کر لیتے ہیں کہ زندگی کو بالکل ویسا ہی ہونا چاہیے جیسا ہم نے سوچا تھا، تو ہم میں خاموشی سے ایک استحقاق کا احساس پیدا ہو جاتا ہے۔ ہم اپنے اچھے اعمال، دعاؤں یا سخت محنت کے 'انعام' کے طور پر ہموار نتائج کی توقع کرنے لگتے ہیں۔ جب حقیقت اس توقع کو چیلنج کرتی ہے، تو عام طور پر دو طرح کے ردِ عمل سامنے آتے ہیں:

1. استحقاق کا احساس (Entitlement): "میں اس سے بہتر کا حقدار ہوں۔ میرے ساتھ ایسا کیوں ہوا؟"

2. مایوسی (Despair): "اگر خدا نے مجھے وہ نہیں دیا جو میں نے مانگا تھا، تو شاید اسے میرا کوئی خیال نہیں۔"

یہ دونوں رویے غلط جگہ پر اختیار تلاش کرنے کا نتیجہ ہیں۔ مشکلات کو امتحان سمجھنے کے بجائے، ہم انہیں اپنے ساتھ 'بے وفائی' تصور کرنے لگتے ہیں۔ ہمارا اندرونی مکالمہ تلخ ہو جاتا ہے اور ہماری عبادت عقیدت کے بجائے ایک سودے بازی بن جاتی ہے۔ تاہم، قرآن ہمیں یاد دلاتا ہے کہ استحقاق کا یہ احساس بے جا ہے۔ حتیٰ کہ انبیاء کو بھی ان کے غیر متزلزل ایمان کے باوجود انکار، نقصان اور تکلیف کا سامنا کرنا پڑا۔ بات صاف ہے: ہم عبادت اس لیے نہیں کرتے کہ اسے دنیاوی آسائشوں کے لیے بطور معاوضہ استعمال کریں، بلکہ یہ تو وہ سہارا ہے جو ہمیں اس وقت ہمت اور عزت کے ساتھ کھڑے رہنے کی طاقت دیتا ہے جب زندگی کا سکون برباد ہو جائے۔

ردِ عمل کی یہ نعمت وقار، ترقی اور ابدی اجر کا دروازہ کھولتی ہے۔ اگرچہ نتائج ہمارے بس سے باہر ہیں، لیکن خدا نے ہمیں اس سے بھی بڑی چیز عطا کی ہے: یہ چننے کی آزادی کہ ہم کیا ردِ عمل دیتے ہیں۔ انسانی وقار اسی میں پوشیدہ ہے۔ کوئی بھی آفت آپ کی دولت، صحت یا حیثیت چھین سکتی ہے، لیکن وہ آپ سے صبر، شکر، توکل اور دیانت داری کے ساتھ اس کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت نہیں چھین سکتی۔ ہر ردِ عمل بن جاتا ہے:

• ترقی کا ایک راستہ: مشکلات ہماری کمزوریوں کو بے نقاب کرتی ہیں لیکن ہمیں لچک، ہمدردی اور عاجزی پیدا کرنے میں بھی مدد دیتی ہیں۔

• تطہیر کا ذریعہ: رسول اللہ ﷺ نے سکھایا کہ مومن کو پہنچنے والی کوئی بھی تھکن، غم یا فکر ایسی نہیں ہے جس کے بدلے خدا اس کے گناہوں کو مٹانہ دے۔ بشرطیکہ ہمارا ردِ عمل ایمان پر مبنی ہو۔

• ابدی اجر کی جانب ایک قدم: دنیاوی نتائج ماند پڑ جاتے ہیں، لیکن ہمارے منتخب کردہ ردِ عمل آخرت تک ساتھ جاتے ہیں۔ تلخی کے بجائے شکر اور انتقام کے بجائے دیانت داری کا انتخاب عارضی آزمائشوں کو ابدی کامیابی میں بدل دیتا ہے۔

ردِ عمل کی یہی نعمت ہمیں حالات کا غلام بننے سے بچاتی ہے۔ یہ ہمیں اس قابل بناتی ہے کہ ہم ہر صورت حال کو۔ خواہ وہ خوشی ہو یا غم۔ خدا کی رضا کے مطابق ڈھالنے اور ایسی کامیابی حاصل کرنے کے موقع میں بدل دیں جو اس دنیا کے بعد بھی برقرار رہے۔

صحیفہ بطور یاد دہانی

قرآن مستقل طور پر ہماری توجہ نتائج سے ہٹا کر ردِ عمل پر مرکوز کرتا ہے۔ یہ ہمیں یاد دلاتا ہے کہ چیلنجز، نا انصافیاں اور یہاں تک کہ دوسروں کی دشمنی بھی آزمائش کے اس نظام الہی کا حصہ ہیں۔ ہماری ذمہ داری نتائج پر قابو پانا نہیں بلکہ اپنے ردِ عمل میں ایمان اور دیانت داری کو برقرار رکھنا ہے۔

یہ مشکل کیوں لگتا ہے

اپنی خواہشات کے ساتھ جذباتی لگاؤ ہونا ایک فطری امر ہے۔ جب ہماری بہترین کوششوں کے باوجود حالات بگڑ جاتے ہیں، تو ہم پوچھتے ہیں: 'میں ہی کیوں؟ ابھی کیوں؟ خدا نے اسے کیوں نہیں روکا؟' یہ جذباتی تکلیف ہمیں اس سچائی سے اندھا کر سکتی ہے کہ اس لمحے میں بھی ترقی، گناہوں کی معافی اور خدا کی نظر میں بلندی کا امکان موجود ہے۔

درست جذبے کے ساتھ ردِ عمل دینا

ردِ عمل دینے کا مطلب بے عملی (Passivity) نہیں ہے۔ اس کا مطلب درست ذہنی رویے کے ساتھ حقیقت کا سامنا کرنا ہے:

- تکلیف میں صبر۔
- نعمت پر شکر۔
- بے یقینی میں توکل۔
- نا انصافی کے جواب میں دیانت داری۔

یہی ہمارے امتحان کا جوہر ہے۔

فعال قبولیت، نہ کہ بے بس سمجھوتہ

خدا کی رضا کو تسلیم کرنے کا مطلب ہار مان لینا یا خود کو بے بس محسوس کرنا نہیں ہے۔ ایمان کا مطلب غیر فعال ہو کر بیٹھ جانا (Passive resignation) نہیں بلکہ فعال طریقے سے اپنی ذمہ داری سنبھالنا ہے۔ ہر صورت حال، خواہ وہ خوشگوار ہو یا مشکل، سبق اور آگے بڑھنے کے مواقع فراہم کرتی ہے۔ جب کچھ ہوتا ہے، تو ہمیں پوچھنا چاہیے: 'خدا مجھے یہاں کیا سکھا رہا ہے؟ میں نے کن ذمہ داریوں کو نظر انداز کیا ہے؟'

حالات کو بہتر بنانے کے لیے میں کیا اقدامات کر سکتا ہوں؟ اگر دوسروں کی غلطی ہے، تو اخلاقی اور قانونی حدود کے اندر رہتے ہوئے، ہم سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ ہم ایسا ردِ عمل دیں جو انصاف کو فروغ دے اور نقصان کو روکے۔ خدا کی مرضی کے سامنے سر تسلیم خم کرنے میں رنجش اور مایوسی کو چھوڑنا بھی شامل ہے، اور ساتھ ہی اپنی ذمہ داریوں کو عاجزی، جو ابندی اور نئے عزم کے ساتھ پورا کرنے کی کوشش کرنا بھی۔ یہی ایمان کا توازن ہے: نتائج میں خدا کی حکمت پر بھروسہ کرنا اور ساتھ ہی ان کرداروں کو فعال طور پر نبھانا جو اس نے ہمیں سونپے ہیں۔

غور و فکر: وہم سے ردِ عمل کے سفر تک

قلم اور کاغذ کے ساتھ چند منٹ سکون سے گزاریں۔ گزشتہ چند دنوں کے ایک مثبت اور ایک منفی واقعے کو یاد کریں۔

1. ان واقعات پر اپنے فوری اور اضطراری ردِ عمل (Reflex response) کو لکھیں۔ آپ کے جذبات، خیالات اور وہ تمام اقدامات جو آپ نے بلا سوچے سمجھے کیے۔

2. اب ان واقعات کو ایمان کے آئینے میں دوبارہ ترتیب دیں: یہ یاد رکھتے ہوئے کہ ایک رحیم، حکیم، علیم اور قادرِ مطلق خدا نے آپ کی ابدی ترقی اور کامیابی کے لیے انہیں رونما ہونے دیا۔

3. اپنے اضطراری رویے اور اپنے ایمان پر بنی ردِ عمل کے درمیان فرق پر غور کریں۔

4. خود سے پوچھیں: یہ واقعہ مجھ پر کیا ذمہ داری عائد کرتا ہے؟ میں کیا سبق سیکھ سکتا ہوں، میں کیا اصلاحی اقدامات کر سکتا ہوں، اور میں اخلاقی و قانونی حدود میں رہتے ہوئے کیسے جواب دے سکتا ہوں۔ خواہ ذمہ داری میری ہو یا دوسروں کی؟

5. موازنہ کریں:

- آپ کے اضطراری ردِ عمل اور احساسات آپ کے ایمان پر بنی جواب سے کتنے مختلف ہیں؟
- جب آپ نتائج کے وہم سے نکل کر ردِ عمل کی نعمت کی طرف بڑھتے ہیں، تو آپ کو کون سی نئی آزادی محسوس ہوتی ہے؟

یہ مشق ہمیں جھنجھلاہٹ سے ایمان کی طرف، مایوسی سے امید کی طرف، اور بنا سوچے سمجھے، ردِ عمل سے باوقار جواب کی طرف لے جانے میں مدد دیتی ہے۔